www.khanqah.in

Visit us at: www.khanqah.in

ہفتہ وار

مبلغ

اشاعت کا چودھواں سال
14th year of Publication

The Weekly **MUBALLIG**
Srinagar Kashmir

سرینگر کشمیر

قیمت صرف 3 روپے

26/جولائی 2013ء جمعۃ المبارک 16 رمضان ۱۴۳۴ھ جلد نمبر: 14 شمارہ نمبر 27

حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ چھِ فرماوان:

سوکھس مول چھُے چَنَن تہٕ کھینَن
نیٚندرِ مول چھُے اوخنَن ستی
ریٚشن مول چھُے وارِن تہٕ وَنَن
ککہٕ وَن مول چھُے پَتھ کنِن ستی

دِل کا آرام ہو تو کھانے پینے میں بھی لطف اور مزہ ہے بالکل اسی طرح مُلّائے بے عمل کو نیند میں سکون ملتا ہے، اور خدا پرستوں کو قدرت کے مناظر جنگلوں اور میدانوں میں مشاہدہ کر کے قلبی مسّرت حاصل ہوتی ہے، چکوروں کیلئے سنگریزوں کی خورش ہی سکون بخشتی ہے۔

ہے جُرمِ ضعیفی کی سزا، مرگِ مفاجات!

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔ مدظلہ العالی

۴۵/سال پہلے عالم اسلام پر ایک ایسی کاری ضرب لگی جس کا درد ہر باشعور مسلمان کو تڑپاتا ہے، اور جس کی ٹیس ہر صاحب ایمان اپنے سینے میں محسوس کرتا ہے، یہ زخم تھا ۷/جون ۱۹۶۷ء کو مسلمانوں کے قبلہ اوّل بیت المقدس پر اسرائیل کے قبضہ کا، افسوس کہ عام مسلمان یہاں تک کہ مسلم ممالک بھی اس ناقابل فراموش واقعہ کو فراموش کرتے جارہے ہیں، کسی قوم کیلئے سب سے بڑی محرومی کی بات یہ ہے کہ وہ لٹ جائے اور اسے لٹنے کا احساس نہ ہو، وہ اپنے سرمایہ غم سے بھی محروم ہو جائے اور محرومی کا احساس بھی اسکے دل و دماغ سے رخصت ہو جائے، علّامہ اقبالؒ نے خوب کہا ہے ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

بیت المقدس وہ مقدس مقام ہے جو مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کیلئے یکساں طور متبرک ہے، یہیں معراج کے موقع پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو عالم بالا کا سفر کرایا گیا، پیغمبر اسلام رضی اللہ عنہ نے نبوت کے بعد سولہ ماہ سے زیادہ عرصہ تک اسی طرف رُخ کر کے نماز ادا فرمائی، اسلئے یہ مسلمانوں کا قبلہ اوّل ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر کے کچھ عرصہ بعد سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے بیت المقدس کی بھی تعمیر فرمائی تھی، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت مسیح علیہ السلام اور کتنے ہی انبیائے کرام کی حیاتِ طیبہ اس مبارک مقام سے متعلق رہی ہے، شہر بیت المقدس کے قرب و جوار میں بھی مختلف علاقے ہیں، جو مختلف پیغمبروں سے منسوب ہیں، اسی لئے اسلام کی نگاہ میں اس شہر اور اس مسجد کی خاص اہمیت ہے۔

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بیت المقدس کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ حشر و نشر کی سرزمین ہے، یہاں آؤ اور نماز ادا کرو کہ اس مسجد میں ایک نماز ادا کرنا دوسری مسجدوں میں ایک ہزار نماز ادا کرنے کے برابر ہے، ان صحابیہ رضی اللہ عنہا نے استفسار کیا کہ اگر میرے اندر وہاں تک جانے کی استطاعت نہ ہو؟ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ کم سے کم تیل کا ہدیہ ہی بھیج دو جو وہاں چراغ میں کام آئے۔ (ابن ماجہ حدیث نمبر: ۱۰۴۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ سے مروی ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، اس میں ایک دعاء ایسی حکومت کی تھی جو آپ کے بعد کسی کو میسر نہ آئے اور اس میں ایک دعاء یہ بھی تھی کہ جو اس مسجد میں صرف نماز کیلئے آئے، تو اس کے گناہ اس طرح معاف ہو جائیں گے گویا وہ آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تین دُعاؤں میں سے دو تو مقبول ہو ہی گئیں اور مجھے اُمید ہے کہ یہ تیسری دُعاء جو مغفرت سے متعلق تھی وہ بھی مقبول ہو گئی ہوگی۔ (ابن ماجہ حدیث نمبر: ۱۴۰۶) اور یہ روایت تو حدیث کی متعدد کتابوں میں وارد ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ خاص طور پر تین ہی مسجدوں کیلئے سفر کرنا دُرست ہے، مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ (ابن ماجہ حدیث نمبر: ۸۔ ۱۴۰۷) اسلئے مسلمانوں کو اس مقدس اور متبرک مقام سے ہمیشہ قلبی اور جذباتی تعلق رہا ہے۔

اسلام سے پہلے یہ شہر بار بار تخت و تاراج کیا گیا، خاص کر چھٹی صدی قبل مسیح بابل کے حکمران بخت نصر نے اس شہر اور اس کے مقدس مقامات کی جس طرح اینٹ سے اینٹ بجائی اور ایک لاکھ یہودیوں کو قید کر کے بابل لے گیا، وہ تاریخ کے اہم واقعات میں سے ایک ہے، یہودی جو اپنے آپ کو اس شہر کا اصل وارث سمجھتے ہیں صرف تہتر ۷۳/سال ہی اس شہر پر برسر اقتدار رہے، حضرت عمرؓ کے عہد میں ۶۳۶ء میں بیت المقدس کا علاقہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہؓ نے فتح کیا، مسلمان چاہتے تھے کہ شہر میں خون ریزی نہ ہو اور صلح کی صورت نکل آئے، عیسائیوں نے یہ شرط لگائی کہ خلیفۃ المسلمین خود آکر دستاویز پر دستخط کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قبول فرمالیا، اور مدینہ میں حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر رجب ۱۶ء میں بیت المقدس تشریف لائے، بیت المقدس سے پہلے ہی 'جابیہ' نامی مقام پر اسلامی لشکر نے حضرت عمرؓ کا استقبال کیا، وہیں عیسائی رہنما بھی آگئے، اور معاہدہ صلح کی تحریر عمل میں آئی، اس معاہدہ کے تحت عیسائی باشندوں کی جان و مال، مذہبی مقامات، حضرت مسیح کی مورتیوں وغیرہ کی حفاظت کی ضمانت دی گئی، بلکہ عیسائی یہودیوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی اس خواہش کو بھی قبول فرمایا، اور یہودیوں کی الگ آبادی بنائی گئی۔

اس کے بعد سے یہاں برابر مسلمان حکمران رہے، یہاں تک کہ گیارہویں صدی عیسوی میں صلیبی جنگیں شروع ہوئیں، اور ۲۳/شعبان ۴۹۲ھ کو عیسائی دوبارہ فاتحانہ بیت المقدس میں داخل ہوئے، انہوں نے شہر میں ایسا قتل عام مچایا کہ بچے، بوڑھے، جوان اور مرد و عورت کو بلا امتیاز تہہ تیغ کیا گیا، شہر میں لاشوں کے اَنبار لگ گئے، خود مغرب مؤرخین نے اس خوں آشامی کا اعتراف کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ صرف ایک دن میں شہر اور اس کے مضافات میں ستّر ہزار افراد شہید کئے گئے، یہ سفاکانہ رویہ ٹھیک اس کے برعکس تھا، جو حضرت عمرؓ اور مسلمان فاتحین نے عیسائیوں کے ساتھ روا رکھا تھا، سقوط بیت المقدس کے اس واقعہ نے پورے عالم اسلام کو بے چین اور بے سکون کر کے رکھ دیا، یہاں تک کہ ۱۱۶۹ء میں سلطان نورالدین زنگی جیسے خدا ترس بادشاہ کے بیٹے مجاہد اسلام سلطان صلاح الدین ایوبیؒ مصر کے تخت اقتدار پر جلوہ افروز ہوئے اور شام کے علاقے فتح کرتے ہوئے ۱۱۸۷ء میں بیت المقدس کو فتح کیا، صلاح الدین ایوبیؒ نے احسان فراموش عیسائیوں کے ساتھ ایسی رحم دلی کا سلوک کیا کہ تاریخ میں اسکی مثال کم ملے گی، چنانچہ خود عیسائی دنیا پر اس کا گہرا اثر پڑا، آخر ۹۱/سال کے بعد قبۃ الصخرہ پر لگائی گئی سنہری صلیب اتاری گئی، اور اسکی جگہ "ہلال" نصب کیا گیا، جب ہی سے ہلال مسلم ملکوں کا شعار سمجھا جانے لگا، یہ ۹۱/سال کا عرصہ مسلمانوں کیلئے ایسا تکلیف دہ اور غم انگیز عرصہ تھا، کہ پورے عالم اسلام کی آنکھیں بے سکون اور دل بے قرار تھے۔

خلافت عثمانیہ ترکیہ کے دَور میں ہی یہودیوں نے سازشیں بنی شروع کر دی تھیں، لیکن خلیفہ نے کسی قیمت پر یہودیوں کو فلسطین میں زمین خریدنے کی اجازت نہیں دی، بالآخر مغربی سازشوں سے خلافت عثمانیہ کا سقوط ہوا، اور ۱۹۴۸ء میں عالم اسلام کے قلب میں اسرائیل کا خنجر گھونپ دیا گیا، یہ زخم بڑھتا رہا، یہاں تک کہ ۱۹۶۷ء میں مسلمانوں کا قبلہ اوّل ان کے ہاتھوں سے جاتا رہا، میرے خیال میں پہلی صلیبی جنگ کی شکست اور خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد مسلمانوں کیلئے یہ سب سے بڑا حادثہ اور سب سے اندوہ ناک سانحہ تھا کہ اگر اس واقعہ پر آسمان خون کے آنسو بہاتا اور زمین کا سینہ شق ہو جاتا تو بھی باعث تعجب نہ تھا، لیکن آہ! ہم مسلمانوں کی بے حسی اور بے شعوری کہ ہماری نسلوں نے تو اس واقعہ کو بھی اپنے صفحہ دل سے مٹا دیا ہے، اور مسلمان حکمران اسرائیل سے ایسا کٹا کٹایا اور عاجز و مجبور فلسطین مانگ رہے ہیں، کہ شاید کوئی فقیر بھی ایسی الحاح و لجاجت سے دست سوال دراز نہ کرتا ہوگا، اور کیوں نہ ہو کہ "ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات"!

//بقیہ صفحہ 4 پر...//

ضروری گذارش: محترم قارئین کرام! یہ اَخبار عام اخباروں کی طرح نہیں، اسلئے اس کا اَدب و احترام ہمیشہ قارئین پر واجب ہے۔ مدیر

www.khanqah.in

چند ہمدردانہ ومخلصانہ گذارشات

مفتی محمد اسحاق نازکی قاسمی

ماہِ رمضان سے جہاں ہمارے روزمرہ نظام حیات میں کچھ تبدیلیاں آتی ہیں وہاں نمازیوں کی کثرت اور نماز تراویح میں اہل اسلام کے ہجوم سے ایک خاص روحانی وایمانی فضابنتی ہے وہاں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی طرف توجہ دینے اوردلانے کی ازحد ضرورت ہے، یہاں ان میں سے چند چیزیں اختصار کے ساتھ نقل کرتا ہوں ع گر قبول افتدز ہے عزوشرف

شدت کی گرمی ہوتی ہے،دن لمبے ہوتے ہیں، راتیں چھوٹی ہوتی ہیں،دن بھر کی جسمانی ودماغی تھکاوٹ اوراگلے دن کیلئے کام پرروانگی ہےتو کیا ہم ایسا نظام نہیں بناسکتے ہیں کہ:

۱) نماز فجر کی ادائیگی اذان فجر سے متصل ہواس میں لوگوں کیلئے بڑی سہولت ہے ہرایک بخوشی نماز فجر باجماعت پڑھ کر دوتین گھنٹوں تک آرام کرسکتا ہے، پھر دن بھر کے کاموں کیلئے کمر بستہ ہوسکتا ہے،سارے عالم اسلام میں یہی نظام ماہِ رمضان المبارک کے حوالے سے بنتا ہے۔"اِنَّ الدِّین یُسرٌ"کی عملی صورت ہے۔ کتنے لوگ ہیں جواذان فجر کے بعد طویل دُعائے صبح کے ورد سے ترک جماعت کرتے ہیں، جب کہ دُعائے صبح ایک انفرادی عمل ہے، اور مستحب چیز ہے،انفرادی عمل کواجتماعی عمل کی شکل دینا اور مستحب عمل کوواجب سے زیادہ اہم سمجھنا یانری جہالت ہے یابے جاتعصب!!

۲) نمازوں کے اوقات میں توسّع اور گنجائش کا نظام ہے کہ اگر کہیں کسی مسجد میں نماز ظہر ایک بجے ہوتو دوسری نزدیک کی مسجد میں ڈیڑھ بجے یا پونے دو بجے کا وقت رکھا جائے،اسی طرح نماز عصر اگر کہیں پانچ بیس پر ہوتو دوسری نزدیک کی مسجد میں ساڑھے پانچ بجے یاپونے چھ بجے کا وقت رکھا جائے اس سے تجارت پیشہ اورملازم طبقہ کو بڑی سہولت کے ساتھ نماز باجماعت میں شمولیت کا موقع مل سکتا ہے اگر یہ وسعت نظام پورے سال کا بنے تو بہت ہی مناسب رہے گا۔

۳) افطار کا اصلی وقت (غروبِ آفتاب) ہوتے ہی اذان دی جائے اوراذان کے بعد پانچ سات منٹ کا وقفہ رکھا جائے تا کہ گھروں میں افطار کرکے اطمینان کے ساتھ نماز باجماعت میں شمولیت کرسکیں اس میں جلدی مناسب نہیں ہے کیونکہ پانی پیئے بغیر یا کلی کئے بغیر دانتوں میں کھانے کی کوئی چیز اٹکی ہوتو دوران نماز حلق سے نیچے جانے میں نماز کے ٹوٹ جانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے،لہٰذا اس کا خیال رکھا جائے۔

۴) اذان عشاء کا وقت مطابق میقات الصلوٰۃ ہے۔تاہم ۱۰۔ ۱۲/ منٹ پہلے اذان عشاء کی گنجائش ہے،لیکن نماز کی کوئی گنجائش نہیں، یہ گنجائش شفق احمر اور شفق ابیض کے غروب ہونے کی وجہ سے ہے جو اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

۵) نماز تراویح جس طرح مردوں پر لازم ہے اسی طرح عورتوں پر بھی ضروری ہے،فرق صرف یہ ہے کہ مردوں پر جماعت کے ساتھ ادائیگی ہے جب کہ عورتوں پر انفرادی طور پر (جب چاہیں سونے سے پہلے یا سوکر اُٹھنے کے بعد بوقت تہجد) لازم ہے۔

۶) ماہِ رمضان المبارک میں نفلوں کا ثواب فرضوں کے برابر اورایک فرض کا ثواب ستّر فرضوں کے برابر ملتا ہے،کوشش یہی رہے کہ نوافل اور عبادات کا اہتمام زیادہ سے زیادہ ہو،مسلمانوں کی غالب اکثریت پچھلے چودہ سو سال سے عرب وعجم میں نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں پڑھتی آرہی ہے، لہٰذا جولوگ سُستی یا کاہلی کی وجہ سے تراویح چھوڑ دیتے ہیں وہ اپنا نقصان کرتے ہیں اور جو حضرات اپنے نظریئے کے اعتبار سے آٹھ رکعت کے قائل ہیں تو وہ جانیں کہ آٹھ رکعت پڑھ کر نکل جائیں لیکن اس کو لڑائی جھگڑے اور باہمی انتشار کا باعث بنانا کسی طرح دُرست نہیں ہے حتی کہ بعض جگہوں میں مساجد پر تالے چڑھائے جاتے ہیں اس طرح ایسے نادان دوست جگ ہنسائی کا موقع دیتے ہیں جو بہت ہی زیادہ افسوس ناک بات ہے۔آٹھ رکعت پڑھ کر حمام میں بیٹھ کر گپ شپ کرنا یا بازاروں میں مڑگشتی کرنا یا بیس رکعت تراویح کو"بدعتِ عمری" کہنا کہاں کا انصاف اور کہاں کی دین پسندی ہے؟لہٰذا وسعتِ ظرفی سے کام لیا جائے۔

۷) میوزک شرعاً حرام ہے۔اخلاقاً ناپسندیدہ ہے۔قانوناً ممنوع ہے اورسائنسی تحقیقات کی روشنی میں اس گناہ کے عادی لوگ ذہنی فکری اورعقلی ارتقاء میں پیچھے رہ جاتے ہیں اوران کی تخلیقی صلاحیتیں کمزور ہوجاتی ہیں۔ یہ بہت ساری اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کی جڑ ہے،لہٰذا اپنی جیب میں رکھے ہوئے موبائل سیٹ کا Incoming اور Out going System سادہ رکھیں۔زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ جب یہ موبائل مسجدوں میں نماز کے دوران بجتا ہے۔اس طرح غضب خداوندی کودعوت دیتا ہے۔

۸) ایسے مسائل کے پوچھنے اوران کی تبلیغ کرنے سے تاحدامکان احتراز کریں جس سے امت میں انتشار ہو، ہاں اگر شرعاً ان کا پوچھنا اور جواب دینا لازم ہوتو دعوتی اسلوب میں مثبت انداز میں جواب دیا جائے کہ احترام مسالک واکرام مسلم بھی رہے اور بات بھی حق کی کہی جائے اس طرح اپنی زبان تحریر وتقریر شستہ اور پاکیزہ رکھیں۔

۹) اپنے مسلک میں تَصلُّب (مضبوطی) ٹھیک ہے لیکن تَعَصُّب (صرف ہم ہی اہل حق ہیں) ٹھیک نہیں ہے،اپنے خطابات اورتحریرات میں اس نکتے کو پیش نظر رکھا جائے۔

۱۰) ماہِ رمضان میں دن کے اوقات میں کھانے پینے کے ہوٹلوں کا کھلا رکھنا کسی طرح دُرست نہیں ہے اس کی اصلاح کی جائے۔

۱۱) اَمن وامان اورسلامتی وشانتی کیلئے دُعاؤں کا اہتمام کریں۔

۱۲) اصلاح عقائد واعمال کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ کا کام کرنا اوراس میں امت وانسانیت کے وسیع تر مفادات کیلئے باہمی طور پر اتفاق واتحاد کا قائم کرنا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔اس طرح ۲۰/فیصد اختلافات سے اوپر اُٹھ کر ۸۰/فیصد اتفاقات کو پیش نظر رکھ کر ملت، وطن اور قوم کیلئے بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔کہیں یہ گذارشات ''چھوٹا منہ اور بڑی بات نہ ہو''۔ اُمید ہے کہ ملت کے خیرخواہ حضرات ان نکتوں پر غور فرمائیں گے۔حضرت حق جلّ مجدہٗ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔آمین۔ بقولِ دانائے راز ؎

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن یہ خوف

کھانڈی پورہ میں دینی مجلس

دارالعلوم سواء السبیل کھانڈی پورہ کولگام کی جامع مسجد شریف میں مؤرخہ 28/جولائی 2013ء بروزِ اتوار صبح 10:30 بجے سے نمازِ ظہر تک ایک دینی مجلس ہوگی۔

لہٰذا عوام الناس کو عموماً اور متعلقین حضرات کو خصوصاً اس بابرکت دینی مجلس میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔

منجانب: منتظم مجلس

9906546004

تاریخی کالم

حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے چچے اور پھوپھیاں: سردار عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے: (۱) عبداللہ (۲) ابوطالب،ان کا نام عبدمناف تھا۔(۳) زبیر،ان تینوں کی والدہ فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ تھی۔ ۴) عباس، جوکہ خلفائے عباسیہ کے جدِامجد ہیں۔ ۵) ضرار، ان دونوں کی والدہ نتیلہ عمریہ تھی۔(۶) حمزہ، (۷) مُقوم،ان دونوں کی والدہ ہالہ بنت وہیب تھی۔(۸) ابولہب عبدالعزیٰ، اس کی والدہ بنوخزاعہ سے تھیں۔(۹) حارث،ان کی والدہ صفیہ تھیں جن کا تعلق بنوعامر بن صَعْصَعَہ سے تھا۔(۱۰) غیداق،ان کا نام حجل تھا اور ماں کا نام مَمْنَعَہ تھا اور عبدالمطلب کی چھ بیٹیاں تھیں۔ (۱) صفیہ۔(۲) ام حکیم بیضاء۔(۳) عاتکہ۔(۴) اُمیمہ۔(۵) اروٰی۔(۶) بَرّہ۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچاؤں میں سے صرف حمزہ اور عباس رضی اللہ عنہم کو اسلام لانے کا شرف حاصل ہوا اور پھوپھیوں میں سے بالاتفاق حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ یہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔لمبی عمر پائیں،حضرت عمرؓ کے دَورِخلافت میں ۲۰/ہجری میں فوت ہوئیں۔اس وقت ان کی عمر ۷۳/سال تھی۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے والد عبداللہ تھے جو اپنے والد سردار عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔انہیں ''ذبیح ثانی'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے بدلے سواونٹ ذبح کیے گئے۔(جبکہ ذبیح اوّل حضرت اسماعیل علیہ السّلام ہیں۔)

نوٹ: مصنف کا مطلق طور پر عبداللہ کو سردار عبدالمطلب کا سب سے چھوٹا لخت جگر قرار دینا محل نظر ہے کیونکہ مؤرخین کے اقوال کے مطابق سردار عبدالمطلب نے حضرت حمزہؓ کی والدہ ہالہ بنت وہیب سے اسی دن نکاح کیا تھا جس دن ان کے بیٹے عبداللہ نے آمنہ بنت وہب سے نکاح کیا تھا۔(الطبقات الکبریٰ: ۱/ ۹۵) نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق حمزہؓ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دو یا چار سال بڑے تھے۔(الاصابۃ: ۲/ ۱۰۵) لہٰذا سردار عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت حمزہؓ ہیں۔ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب عبدالمطلب نے ایک بیٹے کو ذبح کرنے کی اپنی نذر پوری کرنے کیلئے قرعہ اندازی کی تو اس وقت عبداللہ سب سے چھوٹے تھے۔واللہ اعلم بالصواب

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیدائش: آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم ۱۲/ربیع الاوّل { آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تاریخ ولادت میں مؤرخین نے اختلاف کیا ہے،طبری اور ابن خلدون نے ۱۲/ربیع الاوّل اور حافظ بن کثیر نے ۱۰/ربیع الاوّل لکھی ہے مگر سب کا اتفاق ہے کہ دن پیر کا تھا۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۹/ربیع الاوّل کو ہوئی ہے کیونکہ پیر کا دن ۹/تاریخ کے سوا کسی دوسری تاریخ سے مطابق نہیں رکھتا،لہٰذا ''تاریخ دول العرب والاسلام'' میں محمد طلعت عرب نے ۹/تاریخ ہی کو صحیح قرار دیا، نیز تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت ۹/ربیع الاوّل روز دوشنبہ مطابق ۲۰/اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی تھی۔محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہے وہ کئی صفحوں میں آیا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱) صحیح بخاری میں ہے کہ ابراہیم (نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب کو گہن لگا تھا اور سن ۱۰ھ تھا (اور اس وقت آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر کا تریسٹھواں سال تھا۔)

۲) ریاضی کے قاعدے سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ھ کا گہن ۷/جنوری ۶۳۲ء کو ۸/بج کر ۳۰/منٹ پر لگا تھا۔ (جاری)

www.khanqah.in

ہفتہ وار
مبلغ
سرینگر کشمیر
26/جولائی 2013ء جمعۃ المبارک

اسلام زندہ رہا اور زندہ رہے گا

وہ ایک اجنبی مسافر تھا جو بخارا سے روانہ ہو کر شغر کے اس علاقے میں پہنچا جہاں تاتاری شہزادہ تیمور خان شکار کے لئے آیا تھا۔ ایک مسلمان کو دیکھ کر اس کے دل میں نفرت کا الاؤ پھٹ پڑا، اجنبی مسلمان مسافر کو نیزے کی انّی میں پیرو کر فنا کر دینا شہزادے کے لئے کوئی جان جوکھوں کا کام نہ تھا۔ لیکن جب نفرت کے شعلے پھڑکتے ہیں تو بسا اوقات دشمن کو تذلیل و توہین کے بغیر صرف فنا کر دینے سے نہیں بجھتے، اس لئے اس نے اجنبی مسافر پر حقارت کی نظریں گاڑتے ہوئے پوچھا: ''مسلمان! بتاؤ تم بہتر ہو یا کتا؟''..... جمال الدین نامی تاریخ اسلام کے اس عظیم لیکن گمنام مردِ مؤمن نے اس توہین آمیز سوال کا وہ جواب دیا جس نے زندگی کا دھارا اور زمانے کا رخ بدل دیا۔ کہا: ''اگر میرا خاتمہ اللہ کے فضل سے ایمان پر ہو جائے تو میں بہتر ہوں کہ مجھے دینِ حق کی دولت نصیب ہے، ورنہ بصورت دیگر کتا بہتر ہے''۔ یہ ایمان افروز جواب شہزادے کے قلب میں ڈیرے ڈالنے کفر کے لئے کاری ضرب سے کم نہ تھا، اس کے دل و دماغ کے بند دروازے اسلام کی حقانیت میں غور و فکر کے لئے کھلنے لگے۔ کہنے لگا: ''آپ اس دینِ حق کی تعلیمات و عقائد سے مجھے روشناس کرائیں''۔ اجنبی مسافر نے اس قدر جوش و درد کے ساتھ دینِ حق کا تعارف کرایا کہ شہزادے کے پتھر دل میں ایمان کی روشنی سرایت کر گئی۔ تیمور خان نے اس وقت قبولیتِ اسلام کا اعلان مناسب نہیں سمجھا اور تخت نشین ہونے پر اس کا وعدہ کیا۔ جمال الدین تیمور کی تخت نشینی کا زمانہ نہ پا سکا، جب وہ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا تو اپنے بیٹے کو وصیت کی: ''میری وفات کے بعد شہزادہ تیمور خان کے فرماں روا بننے پر ان کے پاس جانا اور انہیں ان کا وعدہ یاد دلانا''۔ بیٹا حسبِ وصیت گیا اور تیمور خان مسلمان ہو گیا، تاتاری قوم مسلمان ہو گئی..... ان کی صاحبِ نظر نسلوں نے پھر صدیوں حرم کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیا.....

شمشیر و سنان کا سبق بھلا کر طاؤس و رباب کے کیف و سرور میں مدہوش مسلمان لاکھوں کی تعداد میں تاتاریوں کے ہاتھوں اپنی بدعملی کی وجہ سے مٹے، انہیں مٹتا دیکھ کر دنیا سمجھی کہ اسلام کا خورشید سر دیوار اب ڈوبا تب ڈوبا..... لیکن اسلام زندہ رہا اور زندہ رہے گا۔

دریائے اموں کے اس پار کا خطہ مدتوں اسلام اور مسلمانوں کی شان و شوکت کی آماجگاہ رہا۔ اسی خطے سے امام بخاری، امام ترمذی اور علامہ مرغینانی جیسے سدا بہار مصنفین پیدا ہوئے۔ یہاں کے کوہ و دشت کا چپہ چپہ مسلمانوں کی گم گشتہ عظمتوں کا مرتبہ خواں ہے..... ترمذ، سمرقند اور شاش اور بخارا کی خاک میں جانے خاموش اسلامی رونقوں کے کتنے قافلے خوابیدہ ہیں! اکتوبر ۱۹۱۷ء میں اشتراکی انقلاب کے عفریت کی بلائے ناگہانی نے اسلامی تہذیب کے ان گہواروں کو اپنے لپیٹ میں لیا۔ ظالم اشتراکیوں نے مسجدیں گرائیں، مدارس ڈھائے، مکاتب مٹائے، دینی کتابیں اور قرآنی نسخے غائب کئے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پندرہ لاکھ مسلمان شہید کئے، مُلا کے وجود کو اس خطے میں سرخ یاقوت کی طرح نایاب کیا۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۹۱ء تک چہتر سال کے اس عرصے میں مسلمانوں کی ایک نسل فنا، دوسری بوڑھی اور تیسری جوان ہوئی اور اشتراکی سمجھے کہ صحرا میں اڑتے بگولوں کی طرح مسلمان ہوا ہو گئے..... لیکن نہیں جب شام کے سائے ڈھلنے لگتے، رات تاریکیوں کا خیمہ تان کر کائنات کو سلا دیتی اور جب سطحِ زمین پر خاموشی کا راج ہوتا، تب زیرِ زمین تہے خانوں میں اصحابِ عزیمت مسلمان دین کی دنیا آباد کرتے..... قرآن اور اسلام کی بنیادی تعلیم جاگ اُٹھتی..... ۱۹۹۱ء میں روسی اکائی تحلیل ہو کر جب بکھرنے لگی تو ان زمین دوز تہہ خانوں میں پڑھ کر نکلنے والے قرآن کریم کے تین ہزار حفاظ موجود تھے... مسلمانوں کی شناخت متاثر ضرور ہوئی، استبدادی پنجے کی شدید ضربوں سے ان کی تہذیبی فصیلوں میں دراڑیں ضرور پیدا ہوئیں، لیکن اسلام کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے والوں کی تمنا پر نہیں آئی، اسلام نہیں، وہ خود قصہ ماضی بن گئے..... اسلام زندہ رہا اور زندہ رہے گا۔

جواہر القرآن

اللہ کی راہ میں موت دُنیا جہاں کے خزانوں سے بڑھ کر ہے

مشورے کے بعد جو فیصلہ کر لیا جائے اس پر توکّلاً علی اللہ مضبوط رہنا چاہیے!

گذشتہ سے پیوستہ// آیت کے اس حکم میں آپ کے طرزِ عمل پر مہر توثیق ثبت ہو رہی ہے کہ ایک دفعہ فیصلہ کر لیا تو پھر وہی طرزِ عمل ہونا چاہیے کہ ''نبی جب ہتھیار لگا لے تو وہ پھر جنگ کے بعد ہی اُتر سکتے ہیں۔'' لیکن یہ توثیق اس حکم کا ایک ضمنی فائدہ ہے، اصل مقصود بظاہر منافقین کی ایک وسوسہ اندازی کا توڑ ہے۔ مشاورت کا سلسلہ میں یہ بات گذر چکی ہے کہ رئیس المنافقین کا اصرار تھا کہ جنگ کیلئے مدینہ سے باہر نہ نکلا جائے۔ اور اس پر عمل نہ کئے جانے کا اتنا بُرا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے منایا کہ احد کی طرف تھوڑی دور ساتھ چل کر واپسی کا اعلان کر دیا۔ پس اب یہ لوگ جنگ کے نتیجہ کے حوالہ سے مسلمانوں میں یقیناً یہ خیال پھیلا رہے ہوں گے کہ ان کی بات نہ مان کر غلطی کی گئی، بظاہر اسی شرارت کا توڑ اس ارشادِ الٰہی کا مقصود ہے اور یوں بھی فیصلوں اور کاموں کے نتیجے کے بارے میں اپنی تدبیروں پر نہیں بلکہ صرف اللہ پر بھروسہ یہ اسلام کی ان تعلیمات میں سے ہے جس کا سیدھا تعلق توحید سے ہے اور موقع کی مناسبت سے اس تعلیم کی یہ یاد دہانی نہایت موزوں ہوتی تھی۔ چنانچہ اس کو دلوں میں اور جاگزیں کرنے کو فرمایا گیا: ''ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم'' (اللہ اگر تمہاری مدد فرمائے تو پھر کوئی نہیں جو تم پر غالب آ سکے۔ اور وہی اگر مدد سے محروم کر دے تو وہ کون ہے جو تمہاری مدد کو آ سکے؟ پس ایمان والوں کو چاہیے کہ بھروسہ اللہ ہی پر کریں اور فیصلے پر پچھتائیں نہیں!)

نبی اور خیانت، دو متضاد چیزیں ہیں! آگے ارشاد ہوا ہے: ''وما کان لنبی ان یّغُلّ.....'' (اور نبی کی شان نہیں کہ وہ خیانت کرے..... الخ) نبی کا لفظ تو عام ہے مگر مراد یہاں خاص حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات گرامی ہے۔ اور اس لفظ کی یہاں خاص معنویت و افادیت یہ ہے کہ اس سے نبوت اور خیانت کے تضاد کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ نبی اور خیانت دو متضاد چیزیں ہیں۔ آیت کے لفظ یَغُلَّ کے مادے غلل کا بنیادی مفہوم چھپنا اور پوشیدگی ہے۔ اور اس کی مناسبت سے بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ انسانوں سے متعلق اس کا استعمال ہو تو اس کا عام فہم ترجمہ خیانت ہی ہو سکتا ہے۔ اور خیانت جیسے مادّی امانتوں میں ہوتی ہے ایسے ہی فرائض اور ذمہ داریوں کے باب میں بھی۔ پس فرمایا گیا کہ نبی (یعنی تمہارے پیغمبرؐ) کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ اپنے منصب مرتبے کے تقاضوں اور ذمہ داریوں سے بے وفائی کریں۔

اَدعِیۃ الرسول
صلّی اللہ علیہ وسلّم

تعزیت کی دُعاء

۱۔ ''اِنَّ لِلّٰہِ مَا أَخَذَ ،وَلَہُ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْئٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی ،فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ﴾

(بخاری: ۱۲۷۷، مسلم: ۹۲۳)

''اللہ ہی کیلئے ہے جو اُس نے لیا، اور اسی کیلئے ہے جو اُس نے عطا کیا، ہر چیز اس کے یہاں مقرر ہے، پس چاہیے کہ صبر سے کام لیں، اور اجر و ثواب کی نیّت اور اُمید رکھیں''۔

وَإِنْ قَالَ ﴿اَعْظَمَ اللّٰہُ اَجْرَکَ ،وَاَحْسَنَ عَزَاءَ کَ وَغَفَرَلِمَیِّتِکَ﴾ فَحَسَنٌ

اور اگر یہ دُعا دی (اللہ آپ کے اجر کو بڑھا دے اور خوب تسلّی بخشے اور آپ کے انتقال کرنے والے عزیز یا رشتہ دار کی مغفرت فرما دے) تو اچھا ہے۔ (الأذکار للنّووی ص ۱۲۶)

پلانے والے کیلئے دُعاء

''اَللّٰھُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِیْ وَاسْقِ مَنْ سَقَانِیْ'' (مسلم حدیث: ۲۰۵۵)

اے اللہ! جس نے مجھے کھلایا تو اُسے کھلا اور جس نے مجھے پلایا تو اُسے پلا۔

کسی کے ہاں افطاری کی دُعاء

''أَفْطَرَعِنْدَکُمُ الصَّائِمُوْنَ و أَکَلَ طَعَامَکُمُ الْأَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلٰئِکَۃُ''

(ابوداؤد حدیث: ۳۸۵۴، ابن ماجہ: ۱۷۴۷)

تمہارے پاس روزہ دار افطار کریں اور نیک لوگ تمہارا کھائیں اور فرشتے تم پر رحمت بھیجیں۔

بقیہ: صفحہ اوّل سے آگے

صورتحال یہ ہے کہ ہزار خوشامد کے بعد عربوں سے کچھ وعدے کئے جاتے ہیں اور پھر بلا ادنیٰ جواز کے ان سے انکار کردیا جاتا ہے، چنانچہ ابھی تک اسرائیل اور فلسطین کی گفتگو ہنوز روزِ اول کا مصداق ہے، لیکن صورتحال دن بہ دن بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے اور اَب ظلم وجبر کے ساتھ مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے اور اسکی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کی تیاری ہے اور اندیشہ ہے کہ کسی دن یہ افسوسناک اور صدمہ انگیز خبر بھی آجائے، کیونکہ اسرائیل نے عرب ممالک کو خصوصاً اور عالم اسلام کو عموماً آپسی جھگڑوں میں الجھا کر رکھ دیا ہے، عوام اور حکومت کے درمیان ٹکراؤ کا سلسلہ جاری ہے، ملکی اختلافات اپنی انتہا پر پہنچے ہوئے ہیں، امریکی فوجیں پورے عالم اسلام خاص کر شرق اوسط کے سینہ پر سوار ہیں، اور نہایت عیاری کے ساتھ ملکوں کے اندرونی معاملات میں دخیل ہوتی جارہی ہیں اور امریکہ پوری طرح اسرائیل کا آلہ کار بنا ہوا ہے، یوں لگتا ہے کہ حدیث میں قرب قیامت سے پہلے دجال اور یہودیوں کے غلبہ کو جو پیشین گوئی کی گئی ہے اس کا ظہور اسی طور پر ہوگا کہ یہودی صلیبی طاقتوں کی پشت پر سوار ہوکر پوری دُنیا پر تسلط حاصل کرلیں گے، ان حالات میں ضرورت ہے ایک ایسے مردِ دانا کی جو عالم اسلام کو متحد کرکے اسرائیل کے خلاف آواز بلند کرے اور فلسطینوں کی تائید میں کھڑا ہو، مغربی طاقتیں محسوس کریں کہ اگر اسرائیل جارحیت سے باز نہیں آیا تو پورا عالم اسلام قدم سے قدم ملا کر ان کے خلاف کھڑا ہوجائے گا اور ان کے معاشی اور فوجی مفادات خطرہ میں پڑجائیں گے، شاہ فیصل شہید نے یہی حکمت عملی اختیار کی تھی، جس نے پورے مغرب کو لرزہ پر اندام کرکے رکھ دیا تھا، کاش! مسلمانوں کی حمیت بیدار ہو!

اگر مسلمان اپنی صفوں میں وحدت کا ثبوت دیتے اور عالم اسلام ٹکڑیوں میں بٹ نہ گیا ہوتا، قومی تعصب اور علاقائیت کے غیر اسلامی نعروں نے عرب دنیا کو چھوٹی چھوٹی مملکتوں کی صورت میں بانٹ نہ دیا ہوتا تو آج مسلمانوں کو ایک حقیر گداگر کی طرح ہاتھ پھیلانے کی ضرورت پیش نہ آتی، بلکہ وہی اس سرزمین کی قسمت کے مالک ہوتے، انسان کی طلب اور اس کی تڑپ کے اعتبار سے نصرف الٰہی متوجہ ہوتی ہے جب انسان کا دل سچی طلب سے خالی ہو اور خدا کے بجائے ظاہری وفانی سہاروں پر انسان نے انحصار کررکھا ہو، تو ان کے ساتھ کیوں کر خدا کی مدد ہوسکتی ہے؟ عرب ممالک پر قومیت کا ایسا نشہ مسلط ہوا کہ عرب زعماء اللہ کے نام کی بجائے عرب قومیت کے نام سے اپنے خطبے کا آغاز کرتے تھے، اور مذہب کے بجائے خالص قومی مسئلہ کی حیثیت سے اس مسئلہ کو پیش کرتے تھے، اس سے بڑھ کر اپنے خالق ومالک سے بغاوت کی اور کیا ہوصورت ہوسکتی ہے؟ آج اگر اسرائیل فلسطین سے گفتگو کرتا ہے تو یہ عرب قوم پرستوں کی جدوجہد کا نہیں، بلکہ مخلص مجاہدین کی سعی وکاوش کا نتیجہ ہے، ہندوستان کے مسلمان اگرچہ اس مسئلہ میں براہِ راست کوئی رول ادا نہیں کرسکتے، لیکن وہ حکومت ہند کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسرائیل سے اپنے تعلقات کو محدود کرے، ہندوستان کے مسلمان امریکی اور اسرائیلی سفارت خانوں پر پُرامن احتجاج درج کراسکتے ہیں، اسی طرح وہ بڑی طاقتوں مسلم ملکوں اور عرب ملکوں تک اپنے احتجاج کی آواز پہنچا سکتے ہیں کہ وہ اسرائیل کے نامنصفانہ روّیہ کے خلاف قدم اُٹھائیں۔

پھر ضرورت ہے کہ قبلہ اوّل کی محرومی کا احساس مسلمان کو تڑپائے، اور یہ تڑپ خدا کی طرف ان کو متوجہ کرے، جب ہی اللہ تعالیٰ کی نصرت متوجہ ہوسکتی ہے، اور مسلمانوں کا قبلہ اوّل ان کو واپس مل سکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ آج پھر عالم اسلام کو وقت کے صلاح الدین کا اور عالم عرب کو ایک اور شاہ فیصل کا انتظار ہے، خدا کرے وہ وقت جلد آئے اور مسلمانانِ عالم کو اس ذلّت ونکبت اور رُسوائی سے نجات ملے، جس سے وہ اس وقت دوچار ہیں!!

موت کی یاد اور آخرت کی فکر..... 2

ابوحمزہ وستانوی

اگر آپ حسن خاتمہ کے متمنی ہیں تو اپنے اندر یہ اوصاف واطوار پیدا کیجئے:

(۱) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور تقویٰ اگر گناہ ہوجائے تو توبہ اور استغفار کیجئے۔

(۲) ایمان پر خاتمہ کے لئے رو رو کر الحاء وزاری کے ساتھ دعا کرتا رہ۔

(۳) اپنے ظاہر وباطن کی اصلاح میں لگا رہے اور نیت میں خلوص پیدا کرو۔

اور اگر آپ سوءِ خاتمہ یعنی برے خاتمہ سے بچنا چاہتے ہیں تو یہ امور اپنا لیجئے:

(۱) عقائد کو درست کیجئے، عقائد کے بگاڑ یا کمزور ہونے کی صورت میں ایمان کے سلب ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔

(۲) دنیا سے محبت نہ کیجئے اور زیادہ دنیوی مشغولیت سے اجتناب کیجئے کیوں کہ اللہ کی اور دنیا کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتی۔

(۴) گناہوں سے حتی المقدور اجتناب کیجئے ورنہ گناہ کی وجہ سے ایمان ضائع ہونے کا غالب گمان ہے۔

(۵) دین کے کاموں سے دلچسپی لیجئے اور سستی نہ کیجئے۔

موت کیا ہے؟: فرمایا: ''موت کے معنی فنا کے نہیں ہیں کہ آدمی موت کے آنے کے بعد فنا ہوگیا یا ختم ہوگیا۔ ایسا نہیں بلکہ موت کے معنی منتقل ہوجانے کے ہیں اس دار سے اس دار میں اس جہاں سے اس جہاں میں تو انتقال ایک دار سے دوسرے دار کی طرف، ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف یہ تو ہوتا رہے گا مگر انسان مٹ جائے یہ نہیں ہوسکتا اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ انسان ازلی تو نہیں لیکن ابدی ضروری ہے''۔

سلسلہ موت وحیات کا مقصد: رمایا ''موت وحیات کیوں دی؟ اس سلسلے کی کیا ضرورت تھی؟ کہ کوئی مررہا ہے کوئی جی رہا ہے کوئی آرہا ہے کوئی جارہا ہے کسی کو غم ہے کسی کو خوشی ہے۔ یہ کیوں کیا؟ **لیبلوکم ایکم احسن عملاً** تاکہ اللہ جان لے کہ تم میں سے کس کا عمل اچھا ہے اور کس کا برا۔''

موت میں عدم تعیین کی حکمت: فرمایا: موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں بتایا گیا تاکہ پوری زندگی میں موت کی استعداد پیدا کرتا رہے اور آخرت کیلئے سامان کرتا رہے اگر یہ بتلا دیتے کہ ساٹھ برس کے بعد اتنے بج کر اتنے منٹ موت آئے گی تو اس میں دو خرابیاں تھیں اول تو آدمی کی زندگی اجیرن ہوجاتی اب وہ گن رہا ہے کہ اب موت کے اتنے دن رہ گئے ہیں کھانا پینا سب بے مزہ ہوجاتا اور نظام عالم برباد ہوجاتا اس لئے موت کا وقت نہیں بتلایا دوسرے اس لئے موت کا وقت نہیں بتلایا تاکہ عمر کو عبادت میں استعمال کرو ممکن ہے اس وقت موت آجائے اور ممکن ہے دس گھنٹے کے بعد آئے ایسا نہ ہو کہ میں اس وقت غافل ہوں اور موت آجائے تو غفلت باقی نہیں رہے گی۔

فکر موت کا طریقہ اور تصور کی کیفیت: فکر کا طریقہ یہ ہے کہ کسی وقت خلوت میں بیٹھ کر سارے خیالات کو دل سے نکال دو اور قلب کو بالکل خالی کرکے توجہ اور عزم کے ساتھ موت کا دھیان کرو۔ اول اپنے دوستوں اور اعزا واقارب کا تصور کرو جو دنیا سے گذر گئے اور یکے بعد دیگرے ایک ایک کا دھیان کرتے جاؤ کہ یہ صورتیں کہاں چلی گئیں؟ یہ کیسی کیسی امیدیں اپنے ساتھ لے گئے؟ حرص وامل نے ان میں اپنا کتنا زور دکھایا؟ جاہ ومال کی کیا کچھ تمنائیں اور آرزوئیں ان کے دلوں میں رہیں، مگر وہ آج سب خاک میں مل گئے اور منوں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں کہ کئی شخص ان کا نام بھی نہیں لیتا۔ اس کے بعد مرنے والوں کے بدن اور جسم کا دھیان کرو کہ کیسے حسین اور نازک بدن تھے مگر اب پارہ پارہ ہوگئے، گل گئے، پھٹ گئے اور کیڑے مکوڑوں کی غذا بن گئے۔ اس کے بعد ان کے اعضاء اور جوارح میں سے ایک ایک عضو کا دھیان کرو کہ وہ زبان کیا ہوئی جو کسی وقت چپ ہونا جانتی ہی نہیں تھی؟ وہ ہاتھ کہاں گئے جو حرکت کیا کرتے تھے، دیکھنے والی آنکھیں اور ان کے خوبصورت حلقے کس کیڑے کی خوراک بن گئے؟ غرض اس طرح پر دھیان کروگے تو سعید بن جاؤگے۔ کیوں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''سعید وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے''۔

طول امل سے بچو اور موت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو: افسوس کہ ہم موت جیسی ہولناک چیز سے غافل ہیں۔ اس زمین پر کہ جس کو ہم پاؤں سے روندرہے ہیں ہم سے پہلے سینکڑوں آئے اور چل دئے مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ یہیں رہیں گے۔ موت کا خطرناک سفر درپیش ہے مگر ہمیں کچھ پرواہ نہیں۔ اس قدر غفلت طول امل نے پیدا کررکھی ہے، اگر یہ جہالت رفع ہوتو موت کا دھیان آئے۔ اسی لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ ''صبح ہوتو شام کا فکر نہ کرو اور شام ہوتو صبح کا خیال نہ لاؤ۔ اور دنیا میں آئے ہوتو زندگی میں موت کا سامان اور تندرستی میں موت کی فکر کرو۔

کیوں کہ اے عبداللہ! کیا خبر ہے کل کو تمہارا کیا نام ہوگا یعنی زندہ ہوگا یا مردہ؟ جس شے کے آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں اس کی فکر تو ہر وقت ہونی چاہئے۔ پس اپنی امیدوں پر خاک ڈالو اور آرزوؤں کے بڑھنے نہ دو۔ خدا جانے گھنٹہ بھر بعد کیا ہوتا ہے''۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے سو دینار میں دو مہینہ کے وعدہ پر ایک کنیز خریدی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اسامہ کی حالت پر تعجب کرو کہ زندگی کا بھروسہ ایک دن کا بھی نہیں اور دو مہینہ کے وعدہ پر کنیز خریدی ہے یہی طول امل ہے، خدا کی قسم ہے کہ میں نوالہ منہ میں رکھتا ہوں اور یقین نہیں کرتا کہ حلق سے نیچے اترے گا؟ ممکن ہے کہ نوالہ کے کھاتے ہی اچھو پڑ جائے، پھندا لگ جائے اور دم نکل جائے۔ لوگو! اگر تمہیں عقل ہوتو اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ جو کچھ وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور جو آنے والا ہے وہ بہت قریب ہے، اگر تم کو جنت میں داخل ہونے کی خواہش ہوتو دنیا کی لاطائل امیدوں کو کم کرو اور موت کو ہر وقت پیش نظر رکھو اور اللہ سے شرماؤ جیسا کہ شرمانے کا حق ہے ان شاء اللہ جنت میں داخل ہوجاؤگے''۔

مرنے کے بعد پھر کیا ہوتا ہے؟ ہر چیز ختم ہوجاتی ہے..... اہل خانہ کچھ روز روئے پھر بھول گئے..... لوگ قبر میں دفن کرکے واپس آئے اور وہ انکی جوتیوں کی آہٹ سن رہا تھا وہ اکیلا رہا۔

ذرا غور کیجئے اگر بالفرض موت سے زندگی میں واپس ممکن ہوتی تو کیا خواہش ہوتی؟..... سگریٹ؟..... کیبل؟..... گانے؟..... بے پردگی؟..... یا..... اللہ کی فرمانبرداری اور اس کی عبادت وبندگی؟..... ذرا اپنے جی میں سوچئے کہ قبر میں جب ہم سے ہمارے اعمال کے متعلق سوال ہوگا تو کیا جواب دیں گے۔ گانے؟..... فلمیں؟..... ناجائز تعلقات؟..... حرام کمائی؟..... یا نمازیں اور اعمال؟..... نصیحت کے لئے تو موت ہی کافی ہے۔

تو برائے بندگی ہے یاد رکھ
بہر سر افگندگی ہے یاد رکھ
ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ
چند روزہ زندگی ہے یاد رکھ
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

(جاری)

www.khanqah.in

www.khanqah.in

آپ کے پوچھے گئے دینی سوالات

سوال: سود کسے کہتے ہیں؟ سودی معاملہ کرنے والوں کیلئے جو اعلان جنگ اللہ اور رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے ہے، آج کے دَور میں اس وَبا سے پھر کون بچا ہوا ہے تو پھر ہمارے اعمال وعبادات کس کھاتے میں جائیں گے؟ نیز بعض تو سود کو نفع بھی کہتے ہیں اور نفع تو ہم خرید وفروخت میں بھی کماتے ہیں تو قرآن کریم نے کس قسم کے سود کو حرام کہا؟ اسی طرح اور ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی کو کاروبار کیلئے لون کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا اس بھی کوئی خطرہ ہے؟

ماسٹر عبدالرشید شاہ۔ کھریو پانپور

نوٹ: اس مسئلہ کے جواب کے سلسلے میں ہم نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کا یہ خطاب منتخب کیا جو اُنہوں نے چند سال پہلے امریکہ میں فرمایا ہے۔ انشاء اللہ یہ مسئلہ کے حل میں مطمئن بخش اور فائدہ سے بھرپور ہوگا۔ (ادارہ)

جواب: وباللہ التوفیق: رِباء جس کو اُردو میں ''سود'' اور انگریزی میں Interest یا Usury کہا جاتا ہے، اور غالباً اس موضوع کو اختیار کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یوں تو ساری دُنیا میں اس وقت سود کا نظام چلا ہوا ہے لیکن بالخصوص مغربی دُنیا میں جہاں آپ حضرات قیام پذیر ہیں، وہاں بیشتر معاشی سرگرمیاں سود کی بنیاد پر چلا رہی ہیں، اسلئے مسلمانوں کو قدم قدم پر یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ وہ کس طرح معاملات کریں اور سود سے کس طرح چھٹکارا حاصل کریں، اور آج کل مختلف قسم کی غلط فہمیاں بھی لوگوں کے درمیان پھیلائی جارہی ہیں کہ آج کل معاشی زندگی میں جو انٹرسٹ چل رہا ہے وہ درحقیقت حرام نہیں ہے، اسلئے کہ یہ اس ''رِباء'' کی تعریف میں داخل نہیں ہوتا جس کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا تھا، ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے اس وقت یہ موضوع دیا گیا ہے کہ میں Interest کے موضوع پر جو بنیادی معلومات ہیں وہ قرآن کریم اور سنت رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم اور موجودہ حالات کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کروں۔

سب سے پہلی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ سود کو قرآن کریم نے اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے کہ شاید کسی اور گناہ کو اتنا بڑا گناہ قرار نہیں دیا۔ مثلاً شراب نوشی، خنزیر کھانا، زنا کاری، بدکاری وغیرہ کیلئے قرآن کریم میں وہ الفاظ استعمال نہیں کئے گئے جو سود کیلئے استعمال کئے گئے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود کا جو حصہ بھی رہ گیا ہو اس کو چھوڑ دو، اگر تمہارے اندر ایمان ہے، اگر تم سود کو نہیں چھوڑو گے، یعنی سود کے معاملات کرتے رہو گے، تو اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔'' (سورۂ بقرہ) یعنی ان کیلئے اللہ کی طرف سے لڑائی کا اعلان ہے۔ یہ اعلانِ جنگ اللہ کی طرف سے کسی بھی گناہ پر نہیں کیا گیا، چنانچہ جو لوگ شراب پیتے ہیں انکے بارے میں یہ نہیں کہا گیا کہ ان کے خلاف اعلان جنگ ہے یا جو خنزیر کھاتے ہیں ان کے خلاف اعلان جنگ ہے اور نہ یہ کہا گیا کہ جو زِنا کرتے ہیں ان کے خلاف اعلان جنگ ہے، لیکن ''سود'' کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ سود کے معاملات کو نہیں چھوڑتے ان کیلئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے، اتنی سخت اور سنگین وعید اس پر وارد ہوئی ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس پر اتنی سنگین اور سخت وعید کیوں ہے؟ اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے معلوم ہوجائے گی۔

لیکن اس سے پہلے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ''سود'' کس کو کہتے ہیں؟ ''سود'' کیا چیز ہے؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ جس وقت قرآن کریم نے ''سود'' کو حرام قرار دیا اس وقت اہل عرب میں ''سود'' کا لین دین متعارف اور مشہور تھا اور اس وقت ''سود'' اُسے کہا جاتا تھا کہ کسی شخص کو دئے ہوئے قرض پر طے کرکے کسی بھی قسم کی زیادہ رقم کا مطالبہ کیا جائے۔ مثلاً میں نے آج ایک شخص کو سو روپے بطور قرض دئے اور میں اس سے کہوں کہ میں ایک مہینے کے بعد یہ رقم واپس لوں گا اور تم مجھے ایک سو دو روپے واپس کرنا اور یہ پہلے سے میں نے طے کردیا کہ ایک ماہ بعد ایک سو دو روپے واپس لوں گا تو یہ سود ہے۔ پہلے سے طے کرنے کی شرط اسلئے لگائی کہ اگر پہلے سے کچھ طے نہیں کیا ہے، مثلاً میں نے کسی کو سو روپے قرض دے دیئے اور میں نے اس سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ تم مجھے ایک سو دو روپے واپس کروگے، لیکن واپسی کے وقت اس نے اپنی خوشی سے مجھے ایک سو دو روپے دے دیئے، اور ہمارے درمیان یہ ایک سو دو روپے واپس کرنے کی بات طے شدہ نہیں تھی تو یہ سود نہیں ہے اور حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔

سُود اور اس کا متبادل

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب۔ مدظلہ العالی

خود حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے کہ جب آپ کسی کے مقروض ہوتے تو وہ قرض خواہ قرض کا مطالبہ کرتا تو آپ وہ قرض کچھ زیادتی کے ساتھ بڑھتا ہوا واپس کرتے، تاکہ اس کی دل جوئی ہوجائے، لیکن یہ زیادتی چونکہ پہلے سے طے شدہ نہیں ہوتی تھی اسلئے وہ سود نہیں ہوتی تھی۔ اور حدیث کی اصطلاح میں اس کو ''حسن القضاء'' کہا جاتا ہے، یعنی اچھے طریقے سے قرض کی ادائیگی کرنا اور ادائیگی کے وقت اچھا معاملہ کرنا اور کچھ زیادہ دے دینا یہ سود نہیں ہے، بلکہ نبی کریم ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ ''ان خیارکم احسنکم قضاء'' (صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب حسن القضاء، حدیث نمبر: ۲۳۹۳) یعنی تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض کی ادائیگی میں اچھا معاملہ کرنے والے ہوں، لیکن اگر کوئی شخص قرض دیتے وقت یہ طے کرلے کہ میں جب واپس لوگوں گا تو زیادتی کے ساتھ لوں گا، اس کو سود کہتے ہیں، اور قرآن کریم نے اسی کو سخت اور سنگین الفاظ کے ساتھ حرام قرار دیا ہے اور سورۃ البقرہ کے تقریباً پورے دو رکوع اس سود کی حرمت پر نازل ہوئے ہیں۔

بعض اوقات ہمارے معاشرے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جس سود کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے وہ درحقیقت یہ تھا کہ اس زمانے میں قرض لینے والا غریب ہوتا تھا اور اس کے پاس روٹی اور کھانے کیلئے پیسے نہیں ہوتے تھے، اگر وہ بیمار ہے تو اس کے پاس علاج کیلئے پیسے نہیں ہوتے تھے، اگر گھر میں میت ہوگئی تو اس کے پاس اس کو کفنانے اور دفنانے کے پیسے نہیں ہوتے تھے، ایسے موقع پر وہ غریب بیچارہ کسی سے پیسے مانگتا تو وہ قرض دینے والا اس سے کہتا کہ میں اس وقت تک قرض نہیں دوں گا جب تک تم مجھے اتنا فیصد زیادہ واپس نہیں دوگے تو چونکہ یہ ایک انسانیت کے خلاف بات تھی کہ ایک شخص کو ایک ذاتی ضرورت ہے اور وہ بھوکا اور ننگا ہے، ایسی حالت میں اس کو سود کے بغیر پیسے فراہم نہ کرنا ظلم اور زیادتی تھی، اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا اور سود لینے والے کے خلاف اعلان جنگ کیا۔

لیکن ہمارے دَور میں اور خاص طور پر بینکوں میں جو سود کے ساتھ روپے کا لین دین ہوتا ہے اس میں قرض لینے والا کوئی غریب یا فقیر نہیں ہوتا بلکہ اکثر اوقات وہ بڑا دولت مند اور سرمایہ دار ہوتا ہے، اور وہ قرض اسلئے نہیں لیتا کہ اس کے پاس کھانے کو نہیں ہے یا اسکے پاس پہننے کیلئے کپڑے نہیں ہیں، یا وہ کسی بیماری کے علاج کیلئے قرض لے رہا ہے، بلکہ وہ اسلئے قرض لے رہا ہے تاکہ ان پیسوں کو اپنی تجارت اور کاروبار میں لگائے اور اس سے نفع کمائے۔ اب اگر مقروض دینے والا شخص یہ کہے کہ تم میرے پیسے اپنے کاروبار میں لگاؤ گے اور نفع کماؤ گے تو اس نفع کا دس فیصد بطور نفع کے مجھے دو تو اس میں کیا قباحت اور برائی ہے؟ اور یہ وہ سود نہیں ہے جس کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے، یہ اعتراض دنیا کے مختلف خطوں میں اُٹھایا جاتا ہے۔

ایک اعتراض یہ اُٹھایا جاتا ہے کہ یہ کاروباری سود (Commercial Interest) اور یہ تجارتی قرض (Commercial Loan) حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں نہیں تھے، بلکہ اس زمانے میں ذاتی اخراجات اور ذاتی استعمال کیلئے قرضے لئے جاتے تھے، لہٰذا قرآن کریم اس چیز کو کیسے حرام قرار دے سکتا ہے جس کا اس زمانے میں ذاتی اخراجات اور ذاتی استعمال کیلئے قرضے لئے جاتے تھے، لہٰذا قرآن کریم اس چیز کو کیسے حرام قرار دے سکتا ہے جس کا اس زمانے میں وجود ہی نہیں تھا اسلئے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے جس سود کو حرام قرار دیا ہے وہ غریبوں اور فقیروں والا سود تھا، اور یہ کاروباری سود حرام نہیں ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی چیز کے حرام ہونے کیلئے یہ بات ضروری نہیں ہے کہ وہ اس خاص صورت میں حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں بھی پائی جائے، اور حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں اس انداز سے اس کا وجود بھی ہو۔ قرآن کریم جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی ایک حقیقت اسکے سامنے ہوتی ہے اور اس حقیقت کو وہ حرام قرار دیتا ہے، چاہے اس کی کوئی خاص صورت حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں موجود ہو یا نہ ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ قرآن کریم نے شراب کو حرام قرار دیا ہے، اور شراب کی حقیقت یہ ہے کہ ایسا مشروب جس میں نشہ ہو۔ اب آج اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ صاحب! آج کل کی یہ وہسکی (Whisky) بیئر (Beer) اور برانڈی (Brandy) حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں تو پائی نہیں جاتی تھی، لہٰذا یہ حرام نہیں ہے، تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اسلئے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں اگرچہ یہ اس خاص شکل میں موجود نہیں تھی لیکن اس کی حقیقت یعنی ''ایسا مشروب جو نشہ آور ہو'' موجود تھی۔ اور آنحضرت ﷺ نے اسکو حرام قرار دے دیا تھا۔ لہٰذا اَب وہ ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی۔ اب چاہے شراب کی نئی شکل آجائے اور اس کا نام چاہے وہسکی رکھ دیا جائے یا برانڈی رکھ لو یا بیئر رکھ لو یا کوک (Coke) رکھ لو، نشہ آور مشروب ہر شکل اور ہر نام کے ساتھ حرام ہے۔ اسلئے یہ کہنا کہ ''کمرشل لون'' (Commercial Loan) چونکہ اس زمانے میں نہیں تھے بلکہ آج پیدا ہوئے ہیں اسلئے حرام نہیں ہیں، یہ خیال درست نہیں۔

ایک لطیفہ سن لیجئے: ہندوستان کے اندر ایک گویّا (گانیوالا) تھا، وہ ایک مرتبہ حج کرنے چلا گیا حج کے بعد وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جارہا تھا کہ راستے میں اس نے ایک منزل پر قیام کیا، اس زمانے میں مختلف منزلیں ہوتی تھیں، لوگ ان منزلوں پر رات گذارتے اور اگلے دن صبح آگے کا سفر کرتے، اسلئے گویّے نے راستے میں ایک منزل پر رات گذارنے کیلئے قیام کیا اور اس منزل پر ایک عرب گویّا بھی آگیا، اور اس نے وہاں بیٹھ کر عربی میں گانا بجانا شروع کردیا، عرب گویّے کی آواز بھدی اور خراب تھی، اَب ہندوستانی گویّے کو اس کی آواز بہت بُری لگی اور اس نے اُٹھ کر کہا کہ آج یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ حضور ﷺ نے گانا بجانا کیوں حرام قرار دیا تھا، دراصل آپ ﷺ نے ان بدووں کا گانا سنا تھا اسلئے حرام قرار دے دیا، اگر آپ ﷺ میرا گانا سن لیتے تو آپ گانا ہرگز حرام قرار نہ دیتے۔ (جاری)

SAMEER & CO
Deals with:
PLY WOOD, HARDWARE,
PAINTS ETC
ایک بار آزمایئے، بار بار تشریف لایئے
.....
H.O: K.P. ROAD ISLAMABAD
ContactNos:9419040053

نوٹ: اس شمارے میں شامل اشاعت مضامین ومراسلے وغیرہ سے ادارے کا ہر بات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ مدیر

www.khanqah.in

علم نحو سیکھئے - 25

مولانا محمد طاہر قاسمی۔اُستاذ دسواء السبیل

سوال: عدل کسے کہتے ہیں؟

جواب: عدل وہ اسم ہے جو اپنے صیغہ اصلی سے نکل کر دوسرے صیغہ میں چلا جائے، جیسے زُفَرُ عُمَرُ۔ (ہدایت النحو)

سوال: عدل کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: عدل کی دو قسمیں ہیں۔(۱)عدل تقدیری۔(۲)عدل تحقیقی۔

(۱) عدل تقدیری: عدل تقدیری وہ عدل ہے جس کے معدول ہونے پر غیر منصرف کے علاوہ کوئی دوسری دلیل موجود نہ ہو، جیسے زُفَرُ عُمَرُ۔

(۲) عدل تحقیقی: عدل تحقیقی وہ عدل ہے جس کے معدول ہونے پر غیر منصرف کے علاوہ کوئی دوسری دلیل موجود ہو، جیسے ثُلاثُ بُعَالُ۔

(تحریر سنبٹ صفحہ ۰۴)

سوال: عدل کے کتنے اوزان ہیں اور وہ کون کون ہیں؟

جواب: عدل کے چھ اوزان ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) مَفْعَلُ جیسے مَثْنُیٰ۔(۲) فُعَلُ جیسے عُمَرُ۔(۳) فُعَالُ جیسے ثُلاثُ۔(۴) فَعَالِ جیسے قَطَامِ۔(۵) فِعْلٌ جیسے سِحْرٌ۔ (۶) فَعْلِ جیسے اَمْسِ۔ (حاشیہ ہدایت النحو)

سوال: عدل اور وزن فعل کا اجتماع کیوں ممنوع ہے؟

جواب: عدل اور وزن فعل میں مغایرت ہے اس وجہ سے ان دونوں کا اجتماع ممنوع ہے۔ (حاشیہ ہدایت النحو)

سوال: معدول عنہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: معدول عنہ وہ اسم ہے جس سے کوئی کلمہ معدول ہو جیسے زُفر، زافر میں زافر معدول عنہ اور زُفر معدول ہے۔

سوال: وصف کسے کہتے ہیں؟

جواب: وصف وہ اسم ہے جس میں ذات کا اعتبار نہ کیا گیا ہو، جیسے اَحْمَرُ۔

سوال: وصف کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: وصف کی دو قسمیں ہیں (۱) وصف اَصلی۔(۲) وصف عارضی۔

(۱) وصف اَصلی: ایسا وصف ہے جو کلمہ کے وضع کئے جانے کے وقت سے اس میں موجود ہو بعد میں خواہ باقی ہو یا نہ ہو، جیسے اَسْوَدُ۔اس کو اہل عرب نے ہر کالی چیز کیلئے وضع کیا تھا بعد میں یہ ایک سانپ کا نام ہو گیا۔

(۲) وصف عارضی: ایسا وصف ہے جو کلمہ کے وضع کئے جانے کے وقت تو اس میں موجود نہ ہو لیکن استعمال میں اس کے اندر معنی وصفی پیدا ہو گئے ہوں، جیسے مَرَرْتُ بنسوۃ اَرْبَعٍ میں اَرْبَعٍ۔ (تدریس النحو)

سوال: وصف کو اسباب منع صرف میں مؤثر ہونے کیلئے کیا شرط ہے؟

جواب: اصلی وضع (وصف اصلی) کی شرط ہے اس کی وجہ یہ ہے وصف عارضی میں اس بات کی صلاحیت نہیں ہے کہ ایک اسم کو اصل (منصرف) سے غیر اصلی یعنی غیر منصرف کی طرف لوٹا دے۔ (ایضاح المطالب صفحہ ۰۳)

سوال: وَصف اور عَلَم دونوں کا اجتماع کیوں ناجائز ہے؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کے مفہوم کے درمیان مغایرت ہے کیونکہ وصف ذات مبہم اور عَلَم ذات معین پر دلالت کرتا ہے۔ (تکمیل النحو: ۳۴)

سوال: وصف اور صفت کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب: وصف اور صفت کے مابین کوئی ذاتی فرق نہیں ہے البتہ اعتباری فرق ہے وہ یہ ہے کہ وصف بیان کرنے والے کے اعتبار سے کہتے ہیں اور صفت موصوف کے اعتبار سے کہتے ہیں، گویا کہ شئ واحد واصف کے لحاظ سے وصف اور موصوف کے لحاظ سے صفت ہے۔(مشکل ترکیبوں کا حل)

(باقی آئندہ شمارے میں)

زکوٰۃ.....فضائل ومسائل - 1

مولانا حمید اللہ لون۔دامت برکاتہم

زکوٰۃ کے معنی: زکوٰۃ کے معنی پاکی، طہارت اور برکت ہیں۔

زکوٰۃ کا حکم: زکوٰۃ ہر مسلمان مرد وزن بالغ، عاقل پر فرض ہے۔ جو بنیادی ضروریاتِ زندگی کے علاوہ اتنے مال کا مالک ہو جو ۲۱۶ گرام ۵۳۴ ملی گرام چاندی کی قیمت کی مالیت رکھتا ہو۔پھر اس پر ایک سال بھی گزرا ہو۔تو قرضہ وغیرہ منہا کر کے باقی پر ڈھائی فیصد یا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ دینا فرض ہے۔

زکوٰۃ کی اھمیت: زکوٰۃ کا نماز کے ساتھ تقریباً ۲۳ بار صریحاً اور ۵۱/ مقامات پر صدقہ کے عنوان کے تحت آتا ہے۔زکوٰۃ مسلم سوسائٹی میں مالیاتی نظام (Economic System) کے لحاظ سے ریڑھ کی ہڈی (Backbone) کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی ادائیگی میں پہلوتہی کرنا، ناشکری اور اللہ کی دی ہوئی نعمت مال کی ناقدری ہے اور ناقدری سے برکت مٹ جاتی ہے اور بعض دفعہ نعمت چھین لی جاتی ہے۔

زکوٰۃ، عشر، صدقات کی برکات: سودی لین دین اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے اور صدقات وخیرات کو بڑھاتا رہتا ہے، ارشادِ ربانی ہے: "یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ" (البقرۃ:۲۷۶) اور حدیث شریف بخاری میں ہے: "مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَۃٍ مِنْ کَسْبٍ طَیِّبٍ.....حَتّٰی تَکُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ" (البخاری، کتاب التوحید) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم دائماً ابدا کا فرمان ہے کہ جس نے حلال کمائی سے ایک کھجور کے بمقدار صدقہ کیا، اور اللہ کے حضور حلال طیب ہی چڑھتا ہے یعنی قبول ہوتا ہے۔تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُسے اپنے سیدھے ہاتھ (جو شانِ ربانی کیلئے زیبا ہو) سے قبول فرماتا ہے، پھر اس صدقے کو اللہ پالتا بڑھاتا ہے جیسے تمہارا کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے، یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے مانند ہو جاتا ہے۔

اداءِ زکوٰۃ وصدقات ایمان کی دلیل ھے: خاتم الانبیاء حضرت محمد مدنی صلّی اللہ علیہ وسلّم دائماً ابدا کا ارشاد ہے: "الصَّدَقَۃُ بُرْھَانٌ" (مسلم) زکوٰۃ وصدقات کا ادا کرنا ایمان کی دلیل ہے، مال سے محبت ہوتی، بہت لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں لیکن حُبِّ مال کی وجہ سے فرض زکوٰۃ اور صدقات واجبہ ادا نہیں کرتے اور اپنے آپ کو بدترین ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

زکوٰۃ کا منکر کافر ھے: جو شخص زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرتا ہو تو وہ کافر ہے ایسے لوگوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا اور جو زکوٰۃ برحق سمجھ کر سُستی کی وجہ سے زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد ادا نہیں کرتا تو وہ کافر تو نہیں بلکہ فاسق اور سخت گنہگار ہے، ایسے لوگوں کو مرتے ہی دردناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

زکوٰۃ نہ دینے پر عذاب: زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو یہ عذاب الیم اس دن ہوگا جب کہ ان کے جمع کئے ہوئے سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں پر داغ دیئے جائیں گے۔اور ان سے زبانی سزا کے طور پر کہا جائے گا "ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ" یہ ہے وہ چیز جس کو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، تو اپنے جمع کیے ہوئے سرمایہ کو چکھو، اس سے معلوم ہوا کہ جزاءِ عمل میں عینِ عمل ہے، جو سرمایہ ناجائز طور پر جمع کیا تھا، یا اصل سرمایہ تو جائز تھا مگر اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو خود وہ سرمایہ ہی ان لوگوں کا عذاب بن گیا۔

عالم برزخ یا قبر میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کا انجام: رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شب معراج میں دیکھا، آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ایک قوم پر گذر ہوا کہ ان کی شرمگاہ پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے اور وہ حیوانوں کی طرح چر رہے تھے اور زقوم (بہت کڑوا درخت) اور جہنم کے پتھر کھا رہے تھے، آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل علیہ السّلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا اور آپ کا ربّ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔(نشر الطیب صفحہ ۱۵) زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کیلئے جو سزائیں اللہ تعالیٰ نے آخرت میں تجویز فرمائی ہیں وہ تو الگ ہیں یہ عذاب تو حشر ہی سے شروع ہو جائیگا، جس طرح بعض سنگین مجرموں پر مقدمہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے ہی کچھ سختیاں حوالات ہی سے ہونے لگتی ہیں اور عدالت میں بھی ان کو ذلّت ورُسوائی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ کے ان باغی مجرموں کے ساتھ بھی حشر میں ایسا ہی ہوگا۔(ترغیب: جلد ۲/۲۸۱) ایک اور حدیث میں ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعے محفوظ کرو، اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو، اور مصائب کے طوفان کا دُعاء وتضرُّع سے مقابلہ کرو۔(ابوداؤد) ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، قیامت میں اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں آئے گا اور اس کی گردن سے لپٹ کر گلے کا طوق بن جائے گا۔(نسائی شریف:۳۳۳) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جو بھی قوم زکوٰۃ دینا چھوڑ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قحط سالی میں مبتلا کر دیتا ہے اور اپنے اپنے مالوں کی زکوٰۃ دینا چھوڑ دیں گے تو ضرور آسمان سے بارشیں روک دی جائیں گی، حتی کہ اگر چوپائے نہ ہوں تو ایک قطرہ نہ برسے۔(ترغیب جلد ۲/۹۱، فقہ الزکوٰۃ جلد ۱/۷۰۱)

حاجاتِ اصلیہ: جو مال اپنی اصلی ضرورتوں کیلئے ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، پس پہننے کے کپڑوں اور رہنے کے گھر پر، خدمت کے غلاموں پر، سواری کے گھوڑوں یا گاڑیوں پر، کھانا پکانے کے برتنوں پر، گھر کی ضرورت کے فرنیچر پر، سونے کے بستروں پر، تعلیم وتحقیق کی کتابوں پر، کاروبار کے اوزار واسباب پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

ایک ھی مال پر عشر اور زکوٰۃ واجب نہیں: جس مال کا عشر نکالا گیا ہو تو اسی سال میں اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی، کیونکہ دو حق ایک مال پر فرض نہیں ہوتے۔(علم الفقہ)

زکوٰۃ میں قمری سال کا اعتبار ہوتا ہے شمسی سال کے اعتبار نہیں اور اگر شمسی سال کے اعتبار سے کرنا ہی ناگزیر ہو تو دس دن کی زکوٰۃ مزید ادا کرنی چاہیے۔(آپکے مسائل جلد ۳/۴۶۳، عالمگیری)

زکوٰۃ میں تاریخ کا اعتبار ھے: اصل حکم تو یہ ہے کہ جس تاریخ سے آپ صاحب نصاب ہوئے، ایک سال کے بعد اسی تاریخ کو آپ پہ زکوٰۃ فرض ہوگی، تاہم زکوٰۃ پیشگی ادا کرنا بھی جائز ہے اور اس میں تاخیر کی بھی گنجائش ہے اسلئے کوئی تاریخ مقرر کر لی جائے، اگر کچھ آگے یا پیچھے ہو جائے تب بھی کوئی حرج نہیں۔ (آپکے مسائل جلد ۳/۸۶۳، عالمگیری جلد ۴/۵)

خلاصۂ نصاب: زکوٰۃ کے نصاب کا خلاصہ یہ ہے کہ سونا ساڑھے سات تولہ 87 ستاسی گرام، 479 چار سو اُناسی ملی گرام یا چاندی ساڑھے باون تولہ، چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام، یا مالِ تجارت یا نقدی یا ان چاروں چیزوں (سونا، چاندی، مالِ تجارت، نقدی) میں سے بعض کا مجموعہ سونے یا چاندی کے وزنِ مذکور کی قیمت کے برابر ہو۔(احسن الفتاویٰ جلد ۴/۴۵۲، فقہ الزکوٰۃ جلد ۱/۱۰۲) (جاری)

بقیہ : صفحہ آخر سے آگے............

//بقیہ صفحہ 7 پر......//

حیوانوں کا کام ہے۔

اخلاق و کردار کی اہمیت بڑے انسانی قوت ہے۔ جس کی اہمیت وضرورت کو ہر دور کے انسان نے اپنے تجربہ ومشاہدہ کی بناء پر محسوس کیا اور اسے اپنے الفاظ میں بیان کیا۔ مشتے از خردارے کے مصداق ایک حدیث شریف اور چند اقوال بطورِ دلیل دعویٰ پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

ا.....حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **بعثت لاتمم مکارم الأخلاق** ۔ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ نے اخلاقی خوبیوں کی تکمیل کے لیے ہی بھیجا ہے۔

عقائد (۳) اللہ تعالیٰ کا وجود: اللہ تعالیٰ اَن دیکھی ہستی کا نام ہے، جس کے وجود اور ہستی سے انکار کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے، قرآن حکیم نے اگر چہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر زیادہ زور دینے کے بجائے دوسرے عقائد پر زیادہ زور دیا ہے، لیکن پھر بھی کہیں کہیں اشارات ضرور ملتے ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کائنات کا ذرہ ذرہ شاہد ہے۔

خلاصۂ کلام: اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو ایک ایسی ذات پر ایمان لانا ضروری ہے جو زمین وآسمان اور اس کے درمیان جو کچھ بھی ہے اس کی ذات پر ایمان لائے بغیر انسان کی نجات نہیں ہوسکتی، انسان دنیا وآخرت میں رسوا ہوگا، اور پھر اس عظیم ہستی نے جو نشانیاں اور علامات دکھائی ہیں ان کے علاوہ اس کی کنہ اور ماہیت کے بارے میں فضول بحث وتمحیص میں نہیں پڑنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں انسان یہ عقیدہ رکھے کہ

(۱) اللہ اکیلا ہے **الله احد**

(۲) اللہ بے نیاز ہے **الله الصمد**

(۳) اللہ اولاد سے پاک ہے **لم یلد ولم یولد** اور دوسرے مقام پر آتا ہے **ولم یتخذہ ولدا**

(۴) اولاد دینے والا وہی ہے **یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکور**

(۵) وہ ہر ظاہر و مخفی کو سننے اور جاننے والا ہے، **وھو السمیع العلیم** دوسرے مقام پر آتا ہے **ان اللہ لا یخفیٰ علیه شیء فی الارض ولا فی السماء** (آل عمران)

(۶) غیب دان صرف اللہ ہے، **وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الا ھو** (الانعام)

(۷) اللہ انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے **نحن اقرب إلیه من حبل الورید** (ق)

(۸) اللہ تمام سرگوشیاں سنتا ہے **ما یکون من نجویٰ ثلثةٍ الا ھو رابعھم ولا خمسة الا ھو سادسھم ولا ادنیٰ من ذلک ولا اکثر الا ھو معھم این ما کانوا** (المجادلہ)

(۹) انسان اللہ کی طرف لوٹ کر جائے گا **واعلموا انکم ملقوہ** (البقرہ) **واعلموا انکم إلیه تحشرون** (البقرہ)

توحید: توحید اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے، عالم ارواح میں جب سارے انسانوں کی روحوں سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کروایا جارہا تھا، تو بے ساختہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار واعلان کیا گیا۔ حضرت آدمؑ نے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا درس دیا، حضرت نوحؑ ساڑھے نوسو سال تک توحید کا پرچار کرتے رہے، حضرت ابراہیم نے اپنے وقت کے مشرکین سے ٹکر لی، اللہ کی توحید کا اعلان کیا، اسی جرم کی پاداش میں آپ کو نمرودی فوجوں نے آگ کے الاؤ میں جھونک دیا تھا، حضرت موسیٰؑ نے بھی اسی توحید کا تکرار کیا، فرعونی لاؤ لشکر سے نبرد آزما ہوئے اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا کہتے رہے

دارالعلوم سواءالسبیل آپ کی خدمت.........؟

دارالعلوم سواءالسبیل کھانڈی پورہ کولگام جو محتاج تعارف نہیں، پچھلے تیس سال سے اپنی منزلیں طے کرتے آرہا ہے۔ الحمدللہ ہزاروں کی تعداد میں اُمت مسلمہ کے ایمان ویقین اور علم وعمل کو بحر علم وعرفان سے پانی پلاتا رہا، جس کے نتیجے میں سینکڑوں حفّاظ وعلماء اور ائمہ پوری وادی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اللہ کے فضل وکرم سے روز بروز یہ علمی وایمانی تشنگی بڑھتی ہی جارہی ہے اور طلباء کی تعداد بھی بڑھتی جارہی ہے۔

لیکن دوسری طرف دارالعلوم سواءالسبیل میں طلباء کی رہائش کیلئے جگہ کی بہت زیادہ تنگی ہے۔ اس سلسلے میں اَب دارالعلوم میں کچھ تعمیراتی کام کا آغاز ہونے لگا، مسجد شریف کی تعمیر بھی زیر تکمیل ہے۔ اس سلسلے میں اہل خیر حضرات سے تعاون کی گذارش کی جارہی ہے، مثلاً: آپ اپنے والدین یا کسی رشتہ دار یا خود اپنے لئے صدقہ جاریہ کیلئے یہ کام کرسکتے ہیں کہ ☆ ایک کمرہ آپ اپنے ذمہ لے سکتے ہیں۔ ☆ کھڑکیاں اور دروازے کی لاگت آپ دے سکتے ہیں۔ ☆ سیمنٹ یا لوہا خود لاسکتے ہیں یا اس کی لاگت دے سکتے ہیں۔ ☆ آپ ایک کمرے کیلئے اینٹیں فراہم کرسکتے ہیں۔ ☆ آپ مزدوروں کی مزدوری دینے میں حصہ لے سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ یہ سارا کچھ آپ دو یا تین مرحلوں میں بھی ادا کرسکتے ہیں۔

آپ کے خیر اندیش۔ خدّام : دارالعلوم سواءالسبیل کھانڈی پورہ کولگام کشمیر

شادی کے موقعہ پر نماز سے عورتوں کی غفلت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔ نوراللہ مرقدہٗ

بیاہ شادی کے موقعہ پر عورتیں اکثر نمازیں قضا کر دیتی ہیں، اپنی نکالی ہوئی رسمیں تو ایسی پابندی سے پوری کرتی ہیں کہ گویا بالکل فرض ہیں اور خداوند کریم کے فرضوں سے بالکل غفلت برتتی ہیں اور دلہن جب تک دلہن رہتی ہے نماز پڑھتی ہی نہیں۔ نماز پڑھنے کو بے شرمی سمجھا جاتا ہے، یہ عجیب بات ہے کہ کھانے پینے میں شرم نہیں اور نماز پڑھنے میں شرم آڑے آجاتی ہے، کیسی بے جا بات ہے؟ اسی طرح جن چیزوں پر اسلام کی بنیاد ہے اُن میں رمضان کے روزے بھی رکھنا ہے، پُرانی عورتوں کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ نماز میں تو کوتاہی کرتی ہیں مگر روزوں میں مردوں سے آگے رہتی ہیں مگر آج کل کی اُبھرتی ہوئی نسل، اسکول وکالج کی پروردہ پودروزہ نماز دونوں سے غافل ہے، غافل ہی نہیں نماز روزہ کا مذاق اُڑاتی ہے اور اسلام کے کاموں پر فقرے کسے جاتے ہیں، دُنیا میں ہمیشہ تو نہیں رہنا آخر مرنا ہے، قبر کی گود میں بھی جانا ہے، یہ ٹیڈی فیشن اور موڈرن اسٹائل وہاں کیا کام دے گا، اَفسوس آخرت کی فکر نہیں کرتے گویا ہمیشہ اسی دُنیا میں رہیں گے۔ ''یَحسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخلَدَهٗ'' عورت کو چاہے پاک دامن رہے، عزّت وعصمت محفوظ رہے، نسوانیت کا تعلق صرف شوہر سے رہے اور بس! نامحرموں سے دور رہنا اور پردہ کا اہتمام کرنا نظریں نیچی رکھنا بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلنا اور کسی مجبوری سے نکلنا پڑے تو کسی محرم کو ساتھ لیکر خوب پردے کا خیال کرتے ہوئے نکلنا ان چیزوں سے عورت کو عفت وعصمت محفوظ رہ سکتی ہے۔ آج کے دَور میں یہی چیزیں ناپید ہورہی ہیں اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والی بہت سی لڑکیاں تو پردہ کا مذاق بناتی ہیں اور شرم وحیا کو عیب سمجھتی ہیں کالج کے طلبہ اور طالبات آپس میں فرینڈ (دوست) بن جاتے ہیں، جو چیزیں خلافِ عصمت ہیں وہ دوستی میں نبھ جاتی ہیں، پھر بن بیاہی ماؤں کی اولاد کوڑے کے ڈھیروں اور نالوں کی گہرائیوں میں پڑی ملتی ہے، سب نظروں کے سامنے ہے مگر آنکھوں پر ایسے پردے پڑے ہیں کہ شریعت کی پابندیوں کے مطابق بہو بیٹیوں کو چلانے پر مرد بھی راضی نہیں ہیں، آخر ان کے ذہن بھی تو دُشمنانِ اسلام یہود ونصاریٰ نے مسموم کردیئے ہیں اور آزادی کا زہر پلاکر سب کے دماغوں کو فالج زدہ کردیا ہے حق بات کوئی اثر نہیں کرتی۔ ''فَسَیَعلَمُ الَّذِیْ ظَلَمُوا ای مُنقلب یَّنقَلبون'' عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے شریعت میں شوہر کے بڑے حقوق ہیں قرآن شریف میں فرمایا ہے: ''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضُھُمْ عَلیٰ بَعْض'' مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، سورۂ بقرہ میں فرمایا: ''وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَةٌ'' اور مردوں کا عورتوں کے مقابلہ میں درجہ بڑھا ہوا ہے۔ ان آیتوں میں واضح طور پر مردوں کو عورتوں کا سرپرست اور سردار بتایا ہے، اولاد کی پرورش خانگی امور مرد وعورت دونوں ہی کے باہمی میل محبت اور مشورہ سے انجام پذیر ہوتے ہیں لیکن شوہر کا مرتبہ بڑا ہے، مردوں کو جہاں اللہ تعالیٰ نے جسمانی قوت وطاقت زیادہ دی ہے، وہاں اُسے سمجھ بھی زیادہ دی ہے، حوصلہ، ہمت، بہادری، دلاوری مردوں میں زیادہ ہے، اِلَّا ماشآء اللہ۔ ان اوصاف کی وجہ سے مرد کو برتری دی گئی ہے اور اسے عورت کا سردار بتایا گیا ہے، جو سردار ہے اُس کی فرمانبرداری ضروری ہوتی ہے ورنہ کاموں میں خلل پیدا ہوجاتا ہے دَورِ حاضر کی فیشنیبل عورتیں مرد کی سرداری تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں بلکہ بہت سی عورتیں اپنے کو بیوی اور شوہر کو شوہر کہنے کو بھی آبرو کے خلاف سمجھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ مجھے بیوی نہیں بلکہ فرینڈ کہو۔ بیوی کہنے میں انسلٹ ہے۔ شریعت نے عورت کے لئے کسی ایک مرد سے نکاح کرکے خاص اسی مرد کے ماتحت رہنے کا جو قانون بنایا ہے، اسی دوستی والی بات ہی کو تو ختم کیا ہے۔ دوستی میں ایجاب وقبول، نکاح، گواہ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی جس سے دل ملا، آنکھ لگی ساتھ ہولیے، یہ طریقہ انبیاء کرام علیہم السّلام کے راستہ کے خلاف ہے بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔ آج انسان اپنی انسانیت کی قیمت بھی نہیں پہچانتا۔ زندگی کے رُخ کو محض حیوانیت پر ڈالنے کو کمال ترقی سمجھنے لگا ہے۔

www.khanqah.in

www.khanqah.in

Vol. 14 No: 27 26 July 2013 Friday

Printer,Publisher:Nizam-ud-din Qurashi
Associate Editor: Hafiz Mushtaq Ahmad Thakur
Postal Adress: Post Box No. 1390 G.P.O Srinager
Sub Office: Khandipora Katrasoo Kulgam Kashmir-192232
Phone No: 01931-212198
Mobile: 09906546004
Branch Office: Srinagar Ph: 2481821

Widely Circulated Weekly News Paper
MUBALLIG
Kashmir

Decl. No: DMS/PUB/627-31/99
R.N.I. No: JKURD/2000/4470
Postal Regd. No: SK/123/2012-2014
Posting Date: 28-07-2013
Printed at: Khidmat Offset Press Srinager
e-mail: muballigmushtaq@gmail.com
muballig_mushtaq@yahoo.com.in

3

اسلام کی بنیادی تعلیمات سے واقفیت

صرف رمضان کے 20 دِنوں میں!

اعداد وتقدیم: (مولانا) حذیفہ بن غلام محمد وستانوی
ناظم تعلیمات ومعتمد جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

قرآن کریم نے بارہا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیا، اللہ کی ذات عالی پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی جتنی صفات ہیں ان کو تسلیم کیا جائے، اللہ کے احکامات کو مانا جائے اور جو جو اوامر ہیں انہیں مان کر نواہی سے بچا جائے۔ انسان اللہ پر اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ ایک ذات واجب الوجود کا نام ہے۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

۱) اِن شرٹ (In-shirt) کر کے نماز پڑھنا: ان شرٹ یعنی پتلون میں قمیص کرنا، اور ایسا چھوٹا شرٹ (قمیص) پہن کر نماز پڑھنا جس سے ستر اعضاء کی ساخت ظاہر ہو، اور لوگوں کی نماز مکروہ ہونے کا سبب بنے، شرعاً یہ عمل ناپسند ومکروہ ہے، نیز یہ غیروں کا طریقہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اور اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اس شخص سے جو مسلمان ہو کر غیروں کے طور طریقے اختیار کرے۔ (المسائل المهمة : ۱/ ٦١)

۲) نماز میں اور نماز کے باہر ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننا: نماز کی حالت ہو یا کوئی دوسری حالت، ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا لنگی پہننا شرعاً منع ہے، نیز یہ متکبرین اور فساق کا شیوہ ہے، جو اسلامی تہذیب ومعاشرت سے بے زار، اور مغربی تہذیب وثقافت کے دلدادہ ہیں، ایسے لوگوں کی مشابہت بھی شرعاً مذموم وممنوع ہے۔ (المسائل المهمة : ۱/ ٦٢)

۳) سونے چاندی میں سے کونسا نصاب، نصابِ حرمتِ زکوٰۃ ووجوب زکوٰۃ معتبر ہوگا؟

زکوٰۃ سے متعلق نصوص اور عام فقہاء کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جیسے سونا وچاندی میں سے ہر ایک خلقۃً، طبعاً، اور استعمالاً ثمن ہے، اسی طرح نصابِ زکاۃ میں بھی دونوں میں سے ہر ایک کا نصاب مستقل ہے، دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر متفرع نہیں ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ چاندی کے نصاب سے متعلق نصوص زیادہ ہیں، اور وہ قوت میں بھی فائق ہیں اسی لئے چاندی کا نصاب اتفاقی ہے اور سونے کے نصاب کی بابت کچھ اختلاف رہا ہے، بلکہ مشہور تابعی حضرت عطاءؒ کا بیان تو یہ ہے کہ اس عہد میں چاندی ہی زیادہ رائج تھی یعنی دراہم نہ کہ دینار۔

آج کے اس دور میں سونے اور چاندی کے نصاب کی مالیت میں زمین وآسمان کا فرق واقع ہو چکا ہے، اس لئے نصابِ حرمتِ زکوٰۃ ووجوبِ زکوٰۃ کی کم سے کم مقدار نصابِ چاندی سے مقرر کی جائے تو یہ انفع للفقراء واحوط الغیر ہم ہے، انفع للفقراء اس طرح کہ جس کے پاس بھی نصاب چاندی کی مقدار میں مال ہوگا وہ زکوٰۃ نکالے گا، جس میں فقراء کا فائدہ ہے، اور احوط للغیر ہم اس طرح کہ جس کے پاس بھی نصاب چاندی کی مقدار میں مال ہوگا وہ زکوٰۃ لے گا نہیں بلکہ دے گا، اور یہ دونوں باتیں اس کے حق میں اولیٰ وبہتر ہیں۔ (المسائل المهمة: ۱/ ۱۰۳)

۴) حقوق العباد: اسلام میں حقوق العباد کا شعبہ انتہائی اہم ہے، بعض علماء کے مطابق پوری شریعت چار احادیث میں مقید ہے۔

(۱) ﴿انما الأعمال بالنيات﴾ (بخاری جلد۱) بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ (۲) ﴿ان الحلال بين والحرام بين﴾ (بخاری جلد۱) بے شک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ (۳) ﴿لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه﴾ (بخاری جلد۱) تم میں کوئی مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (۴) ﴿من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه﴾ (ترمذی ابواب الزہد جلد۲) آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی امور کو چھوڑ دے۔

پہلی حدیث عقائد واعمال قلب کے متعلق ہے، دوسری حدیث جملہ احکام فقہ کے متعلق ہے، تیسری حدیث حقوق العباد کے متعلق ہے اور چوتھی حدیث اخلاق منور ایمان ہے۔ تو گویا حقوق العباد دین کا اہم حصہ ہے۔

حقوق جمع ہے حق کی، لغت میں حقوق کے متعدد معنی درج ہیں۔ مفردات امام راغب نے اس لفظ کی تحقیق کی گئی ہے۔ تحریر ہے کہ حق کے اصل معنی موافقت اور مطابقت کے ہے۔

۵) حقوق العباد کی اہمیت وضرورت اور اسکے تقاضے: انسانوں کی فلاح وبہبودی اور ان کی خوشحالی اور ان کے امن وسکون کے لئے لازم اور ضروری ہے کہ وہ مل جل کر رہیں، آپس میں بھائی چارہ قائم رکھیں اور ایک دوسرے سے محبت کریں اور باہمی احترام کی فضا پیدا کریں، اشتراک وتعاون باہمی کی اس فطری ضرورت نے قوم وقبیلہ اور گروہوں کو جنم دیا ہے، یعنی معاشرہ وجود میں آیا اور اس کی تاسیس حقوق اور فرائض کی ادائیگی کی بنیادوں پر ہوئی یہ بات خود بخود ناگزیر ہوگی کہ عام انسانوں کے احساس اور جذبات اور ان کی ضرورتوں یعنی ان کے حقوق کا دوسرے انسان پر ادا کرنا لازم ہے اس احساس ذمہ داری کے بغیر نہ کوئی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے نہ یہ ترقی کی منزل طے کرسکتا ہے۔

قرآن حکیم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ تعلیم دی ہے اور واضح کردیا ہے کہ یہ کائنات اور کائنات کی تمام چیزیں جو اردگرد موجود ہیں وہ ان کی خدمت اور منفعت کے لئے ہی پیدا کی گئی ہیں اور ان کا خالق اللہ ہے ﴿هو الذى خلق لكم مافى الارض جميعا﴾ (البقرہ)

۶) اخلاق: مذکورہ بالا مثالوں کو سامنے رکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ کیا حادثہ زدگان کی مدد کرنے والے نوجوان جنہوں نے ان کا مال چرایا اور گھڑیاں اتاریں، اخلاق وکردار والے لوگ شمار ہوں گے۔؟ حالانکہ انہوں نے مرنے والوں کو بچانے کی کوشش کی، اور زخمیوں کو ہسپتال پہنچانے میں مدد دی۔ ظاہر ہے کہ وہ اخلاق وکردار والے لوگ کبھی بھی نہیں کہلا سکتے، اور وہ شخص جو ایک بھٹکی مجبور خاتون کی مدد کرنے کے بعد اسے راستہ بتانے کے بہانے اپنی ہوس کا شکار بناتا ہے کیا اخلاق والا کہلا سکتا ہے۔؟ حالانکہ اس نے ایک بے یارومددگار خاتون کی مدد کی، ہرگز نہیں اسے کوئی بھی صاحب اخلاق کہنے کو تیار نہیں ہوگا؟ بل کہ الٹا ایسے مدد کرنے والوں کو دھوکے باز، جیب تراش، چور، خائن، لیٹرے اور ظالم وبدمعاش قسم کے القابات ملیں گے۔ ہاں اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا یعنی خوش اخلاق، مدد، تعاون اور رہنمائی ورہبری کے بعد کوئی ذاتی فائدہ ان لوگوں کو نقصان پہنچا کر نہ اٹھایا جاتا، تب تو سب لوگ ایسے لوگوں کو خوش اخلاق، ہمدرد وغمخوار، معاون ومددگار، مخلص خدمت خلق کرنے والے جیسے باعزت وباوقار القابات سے نوازتے اور ان کے اخلاق وکردار کی تعریف کرتے۔

مذکورہ بالا چند مثالوں سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اخلاق وکردار کا معاملہ کسی ایک عمل تک محدود نہیں بل کہ ہموار اور ہمہ وقتی ہے۔ گویا اس کا تعلق انسان کے ہر قول اور فعل سے ہے۔ جو کوئی جس قدر زیادہ اچھے قول اور اچھے فعل کا حامل ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ صاحب اخلاق وکردار شمار ہوگا۔ اس ساری گفتگو سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اخلاق کا دائرہ اثر زندگی کے تمام کے تمام حالات، کیفیات اور گوشوں اور پہلوؤں پر محیط ہے۔

۷) اخلاق وکردار انسان کی بنیادی ضرورت ہے: اخلاق وکردار کی جامع تعریف اور اس کا دائرۂ اثر جان لینے کے بعد یہ امر بالکل عیاں ہو چکا ہے کہ انسانی زندگی کی بھلائی اور کامیابی خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی اس بات پر منحصر ہے کہ ایک فرد بہ حیثیت فرد اور ایک جماعت کا بہ حیثیت جماعت اخلاق وکردار کیسا ہے؟ اگر فرد یا اچھے اخلاق وکردار کے حامل ہوں گے تو وہ دونوں کامیاب وکامران ہوں گے۔ اور اگر وہ اخلاقی خوبیوں جیسے محبت ومروت، محنت ودیانت سچائی وراستبازی، شجاعت وجرأت اور ہمدردی وفیاضی وغیرہ سے عاری ہوں تو فرد اور جماعت دونوں ہی جلد یا بدیر ناکامی وذلت بل کہ ہوسکتا ہے کہ غلامی ومحکومی کی حالت کو پہنچ جائیں۔

ویسے بھی اگر غور کیا جائے تو تمام دوسری جاندار مخلوقات پر انسان کی شرافت وبزرگی علم اخلاق ہی کی بدولت ہے۔ اگر انسان اپنی ذہنی اور اخلاقی خوبیوں کو بروئے کار لائے تو وہ حیوان سے برتر مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر انسان اپنے مقام ومنصب (اخلاق الٰہیہ اور نیابت خداوندی) کے مطابق اپنے دل، دماغ، کان اور آنکھ سے کام نہیں لیتا۔ تو وہ چوپاؤں سے بھی بدتر ہے۔ ذہنی، فکری، اخلاقی صلاحیتوں کے بروئے کار لانا ہی انسانیت کا امتیازی نشان ہے۔ چناں چہ یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اخلاق وکردار اور علم وعمل انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ خواہشات وجذبات کے تحت زندگی گزارنا انسانوں کا کام نہیں بل کہ